الحمدللہ کہ

رسالہ

خطاب بہ مودودی

جس میں مولانا مودودی کے متعلق اس سلسلہ مضمون کو
درج کیا گیا ہے جو اخبار ”اہلحدیث“ میں 14 ستمبر 45ء سے
30 نومبر 45ء تک شائع ہوتا رہا۔

مصنّفہ

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

بفرمائش

ایم رضاء مہتمم مکتب خانہ ثنائیہ

1946ء
ماہ فروری

1365ھ
ربیع الاوّل

دیباچہ

مولانا مودودی ؒ سے خطاب

"اخبار اہل حدیث مورخہ 14 / ستمبر 45ء سے مولانا مودودی سے خطاب شروع ہوا تھا۔ جو 30 نومبر 45ء تک جاری رہا۔ ناظرین اہل حدیث نے اس سلسلے کو پسند کر کے فرمائش کی کہ اس کو کتابی شکل میں متشکل کیا جائے چنانچہ اس مضمون کو رسالہ ہذا کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا مودودی کی نسبت ہمارا گمان غالب ہے کہ آپ سر سید احمد خاں یا مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح حدیث نبوی کے منکر نہیں ہیں۔ البتہ حدیث کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے آپ محدّثین کا مسلک اور طریقۂ تنقید چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت ناظرین ان اوراق میں ملاحظہ کریں گے۔

ابوالوفا ثناء اللہ

صفر المظفر 1365ھ　　　　جنوری 1946ء

---

1) مولانا مودودی کا نام سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھا جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ نام ہے یا کنیت بہر حال جو کچھ بھی ہے ترجمہ اس کا ہے اعلیٰ کا باپ "سبحان ربی الاعلیٰ" کو ملحوظ رکھ کر ہم مولانا کو مشورہ دیں تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ اس نام کی بجائے ابوالعلیٰ تجویز کریں تو مناسب ہے۔

اسکی مثال: عیسائیوں میں ایک بڑے پائے کے مصنف گذرے ہیں جن کا نام اکبر مسیح تھا۔ آپ شہر باندہ میں رہتے تھے۔ بڑے ذی علم اور ذی لیاقت تھے۔ عربی انگریزی کے ماہر تھے۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف تھے۔ شہر باندہ (یوپی) میں مجھ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا آپ کا نام اکبر مسیح ہے۔ اکبر اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ مسیح کی طرف ترکیب کے لحاظ سے اس کے معنی ہیں مسیح سے بڑا۔ کیا آپ واقعی مسیح سے بڑے ہیں؟ یہ سوال سن کر خاموش ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سوال ان کے کانوں میں پہلی دفعہ آیا ہے۔ ناموں کی اصلاح کرنا حدیثوں سے ثابت ہے۔ منہ

حدیث نبوی پر شکوک اور شبہات

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی سے خطاب

مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ ابتداء سے یہی چلا آیا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث نبوی ﷺ بھی حجت شرعی ہے۔ خلافت اولی کا انعقاد حدیث "الائمۃ من القریش" ہی کی بنا پر ہوا تھا۔ خلافت منعقد ہونے کے بعد سب سے پہلے اہم مسئلہ وراثتِ نبی علیہ السلام کا پیش ہوا تھا۔ جس میں مدعیہ خاتون جنّت رضی اللہ عنہا تھیں اور خلافت راشدہ مدّعا علیہا تھی۔ اس مسئلے کا فیصلہ بھی ایک حدیث ہی سے ہوا تھا جس کے الفاظ ہیں: "نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ" (بخاری، اصول کلینی) اس کے بعد تیسرا اہم مسئلہ خلیفۃ المسلمین کے سامنے جیش اسامہ پیش آیا تھا یہ بھی حدیث ہی کے ماتحت فیصل ہوا تھا۔

اس کے بعد ہر زمانہ میں حدیث کی حجیت مسلّم رہی۔ فرق اتنا رہا کہ کسی گروہ میں روایات غالب رہیں۔ کسی میں استنباط غالب رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ محدّثین اور فقہاء رحمہم اللہ۔ اس کے بعد بھی امت مسلمہ میں حدیث کی حجیت متوارث چلی آئی۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے شہر علی گڑھ میں سر سید احمد خاں مرحوم پیدا ہوئے۔ انھوں نے حدیث کے متعلق انکاری آواز اٹھائی یعنی یہ کہا کہ بحیثیت حجت شرعی کے قرآن مجید کافی ہے۔ حدیث کی ضرورت نہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی تسلیم کیا کہ روایت کی حیثیت سے صحیح بخاری سب سے اعلی اور مستند ہے۔ اس کے بعد یہ آواز لاہور پہنچی۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اس کو قبول کیا اور اس خیال کی اشاعت میں بہت کوشش کی۔ لاہور کے بعد یہ آواز امرتسر میں پہنچی۔ یہاں بھی چند آدمیوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی۔ جنھوں نے اپنا نام امت مسلمہ رکھا اور "کفایت قرآن" اپنا نصب العین قرار دیا۔ ان سب جماعتوں میں وجوہات عدم حجیت حدیث میں بہت سا اختلاف ہے۔ ان اختلافوں کے متعلق آج ہمارا روئے سخن نہیں ہے کیونکہ اس کے متعلق ہمارے کئی ایک رسالے (اتباع الرسول، دلیل الفرقان، حدیث نبوی اور تقلید شخصی، برہان الحدیث وغیرہ) شائع شدہ ہیں۔

آخری دور میں مولانا مودودی صاحب نے قلم اٹھایا جو پہلی جماعتوں سے تخفیف حدیث میں بحیثیت استدلال کسی قدر زیادہ قوی ہیں۔ آپ نے بڑی سچائی سے کام لیتے ہوئے ایک موقع پر علم حدیث کو واجب العمل تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (تفہیمات ص 316)۔ مگر ساتھ ہی اس کے جب میدانِ تحقیق میں آئے تو حدیث کے متعلق آپ نے دو شبہات ایسے پیدا کئے جن کو بخیال خود لاینحل سمجھ کر شائع کیا ہے میں نے ان شبہات کو ان کے خیال میں "لاینحل" اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے ان شبہات کا جواب نہیں دیا۔ پہلا شبہ انھوں نے اسماء الرّجال کی حیثیت سے کیا۔ آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔ (مسلک اعتدال ص 314 و قرآن اور سنت رسول ص 388 و ترجمان القرآن)۔

"محدثین رحمہم اللہ کی خدمات مسلّم۔ یہ بھی مسلّم کہ نقد حدیث کے لئے جو مواد انھوں نے فراہم کیا ہے وہ صدرِ اوّل کے اخبار و آثار کی

تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔کلام اس میں نہیں بلکہ صرف اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔انسانی علم کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرّر کررکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جاسکتے تھے۔انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے"۔(تفہیمات ص319)

مجیب: مولانا مودودی صاحب نے اس اقتباس میں محدّثین کی نسبت جو خیال ظاہر کیا ہے۔اسی کو مولانا حالی مرحوم نے اپنی مسدّس میں یوں ادا کیا ہے۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا　　لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا　　کیا قافیہ تنگ ہر مدّعی کا
کئے جرح وتعدیل کے وضع قانون　　نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

موصوف کے شبہہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی راوی کی نسبت یقین نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی محدّث نے اس کو کہا ہے۔کیونکہ کئی ایک راوی ایسے ہے کہ ان کو بعض محدّثین نے ضعیف کہا ہے اور بعض نے ان کو ثقہ کہا ہے اسی طرح بعض نے ان راویوں کے حق میں اچھے الفاظ کہے اور بعضوں نے برے کہے۔اس لئے کسی راوی کے متعلق کسی جانب یقین نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسا ہی تھا جیسا کہ ہم اس کو سمجھتے ہیں. میں کہتا ہوں کہ آپ کو اس امر کے فیصلے کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں۔بلکہ اس کے فیصلہ کے لئے میرا اور آپ کا وجود ہی مثال کے لئے کافی ہے۔ ہم دونوں کو اچھا کہنے والے بھی ہیں اور برا کہنے والے بھی ہیں۔یہ کوئی نئی بات نہیں۔

استاد غالب مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے!　　ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

تو کیا ایسی صورت میں ثالث بالخیر ہمارے حق میں فیصلہ کرکے صحیح رائے قائم کرسکتا ہے یا نہیں کہ ہم کون ہیں۔ذرا اور راو پر چلئے۔مولانا اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ کی نسبت آرائے علماء میں بکثرت اختلاف ہے۔کیا ان آراء کو سامنے رکھ کر آج تک آپ نے کوئی فیصلہ کیا ہے یا نہیں،ذرا اور راو پر چلئے۔حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق امّت میں جو اختلاف ہے وہ بھی آپ سے مخفی نہیں کہ وہ افضل الامۃ تھے یا (خاک بدہن قائل) فرعون اور ہامان تھے۔(حیات القلوب شیعہ) کیا اتنے بڑے اختلاف کا فیصلہ بھی آپ نے کبھی کیا ہے یا نہیں ضرور کیا ہوگا۔اس فیصلے کی وجوہات کیا ہیں۔انہیں وجوہات سے راویانِ حدیث کا فیصلہ بھی ہوسکتا ہے. چنانچہ محدّثین نے اس کے متعلق اصول مقرر کئے ہوئے ہیں۔اسی لئے محدّثین کی بابت مولانا حالی کا یہ کہنا صحیح ہے:

رجال اور اسانید کے جو ہیں دفتر!　　گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر
نہ تھا ان کا احسان فقط اہلِ دیں پر　　وہ تھے اس میں ہر قوم وملّت کے رہبر
لبرٹی میں جو آج فائق ہیں سب سے　　یہ بتلائیں لبرل بنے ہیں وہ کب سے

(اہلِ حدیث 14 ستمبر 45ء)

دوسری قسط

مولانا مودودی صاحب نے اس قسط کو بڑے فخر ومباہات سے لکھا ہے یہ سمجھ کر کہ یہ طریق تنقیح گویا ان کی قابلیت کا خاص طرّہ امتیاز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح سے حدیث کے فن پر سرسیدّ احمد خاں مرحوم علی گڑھ نے بھی حملہ نہیں کیا تھا۔ میں موصوف کی اصلی عبارت نقل کر کے اپنے ناظرین کو عموماً اور ممدوح کے ان احباب کو خصوصاً توجہ دلاؤں گا جو حدیث کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ واجب العمل ہے۔ وہ ذرا غور سے ان عبارتوں کو پڑھیں اور سوچیں کہ

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

موصوف نے اسماء الرجال (جس کا ذکر پہلے آچکا ہے) کی بحث کے بعد لکھا ہے۔

"دوسری اہم چیز سلسلہ اسناد ہے محدّثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے۔ آیا وہ اس کا ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی یا نہیں، اور ملا تھا تو آیا اس نے یہ خاص حدیث خود سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق انھوں نے اسی حد تک کی ہے جس حد تک انسان کر سکتے تھے۔ مگر لازم نہیں کہ ہر ہر روایت کی تحقیق میں یہ سب اُمور ان کو ٹھیک ٹھیک ہی معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو وہ متصل السند قرار دے رہے ہیں وہ درحقیقت منقطع ہو اور انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسَل یا متّصل یا منقطع ہیں اور اس بناء پر پایۂ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں۔

یہ اور ایسے ہی بہت سے اُمور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح وتعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنتِ نبوی اور آثارِ صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے"۔ (تفہیمات ص 323-324)

مجیب: مولانا مودودی صاحب! قاضی کبیر (سشن جج) کسی خون کے مقدمہ میں دو تین آدمیوں کی شہادت سے جس کو اس نے جانچ لیا ہو، قاتل سے قصاص کا حکم دے یا چور کی چوری پر نصاب شہادت پا کر ہاتھ کاٹنے کی سزا دے تو کیا آپ کے پیدا کردہ احتمالات ان مقدّمات اور ان جیسے اور خطرناک مقدّمات پر حاوی ہوں گے یا نہیں؟ آپ بذاتِ خود قاضی کبیر کے عہدہ پر فائز ہو جائیں تو کسی چور یا کسی زانی یا کسی قاتل کو شرعی سزا دیں گے یا ہر شہادت پر یہی احتمال پیدا کریں گے میرا گمان ہے۔ اگر ہر شہادت پر آپ یہی گمان پیدا کریں گے تو حکومت اعلیٰ کی طرف سے آپ جلد اس عہدہ سے سبکدوش کر دیئے جائیں گے۔

مولانا! میں نے جو مثالیں پیش کی ہیں۔ یہ شرعی مقدّمات کی ہیں۔ ان میں شہادتوں کا نصاب بھی قرآن شریف نے مقرّر کیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ انھیں نصوص قرآنیہ کی بنا پر محدّثین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے قواعدِ روایت کو استنباط کیا ہے۔ آپ نے جو احتمالات پیدا کئے ہیں ایسے احتمالات شاعروں نے بھی بتائے ہیں جو کہتے ہیں:

پیغامبر رقیب بنے یہ خبر نہ تھی! دنیا کے کاروبار ہیں سب اعتبار پر

مگر آپ جانتے ہیں کلامِ شعری اور ہے، کلامِ خطابی اور ہے ہیں، محدّثین نے معاصرین کی روایت کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ ان کی ملاقات ہو چکی ہو اس کا ثبوت ان کو کسی روایت میں مل جائے تو وہ ساری روایتوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ثبوتِ ملاقات کے لئے ان کا اصطلاحی الفاظ "أخبرنا حدّثنا" ہوتے ہیں۔ اگر کسی ایک روایت میں یہ الفاظ مل جائیں تو باقی کے لئے کافی ہیں۔ اس کی مثال آپ کو علم معانی بیان میں یوں ملے گی۔ کوئی شاعر سارے قصیدے میں افعال کو زمانہ اور افلاک کی طرف منسوب کرتا ہے مثلاً کہتا ہے۔

أشاب الصغير وافنى الكبير كرّ الغداة ومرّ العشي

سارے قصیدے میں اس قسم کی نسبتیں زمانہ کی طرف کرتا ہے مگر اخیر میں جا کر ایک مصرع یہ بھی ملتا ہے۔

وقيل الله للشمس اطلعي

یعنی خدا سورج کو چڑھنے کا حکم دیتا ہے اس پر صاحبِ مطول اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں، اگر آخری مصرع یہ نہ ہوتا تو شاعر کو دہریہ کہا جاتا۔ اس ایک مصرع نے بلکہ ایک لفظ نے شاعر کو دہریت کے فتوے سے بچالیا۔ اردو میں بھی ایک مثال سناؤں تو مفید ہوگی مولانا حالی مرحوم مسلمان تھے اور موحّد مسلمان اس کے باوجود آپ افعال کی نسبت زمانہ کی طرف کررہے ہیں۔ جو دہریوں کا طریقہ ہے۔ فرماتے ہیں:

کیا گر حکومت نے تم سے کنارا تو اس میں نہ تھا کچھ تمہارا اجارا
زمانہ کی گردش سے ہیں کس کو چارا کبھی یاں ہیں بہمن کبھی یاں ہے دارہ

ایسی نسبتیں کرنے والے کو بھی دہریت سے محفوظ رکھ کر خدا کا قائل سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ اسی مسدّس کے ایک مصرع میں خدا کا نام یوں لیتا ہے:

نہیں بادشاہی کچھ آخر خدائی جو ہے آج اپنی تو کل ہے پرائی

بس یہ ہے اصولِ کلام جو ہر قوم میں اور ہر ایک جماعت میں بلکہ ہر اہلِ علم کے نزدیک مسلّم اور مقبول ہے۔ جسے آپ نے کمزور سمجھ کر ٹال دیا۔ آپ نے متّصل اور منقطع حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مولانا! آپ کو کبھی دنیاوی عدالتوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہوگا، یا واقعات آپ نے سنے ہوں گے کہ عدالت شرعی میں ایک شخص شہادت دے کہ زید نے عمر کو کچھ دیا ہے۔ عدالت پوچھے تمہیں یہ علم کیسے ہوا وہ کہے میرے سامنے روپیہ دیا گیا۔ دوسرا گواہ یہ شہادت دے کہ میں نے کسی آدمی سے ایسا سنا تھا۔ آپ بحیثیتِ قاضی ہونے کے فیصلہ دیں کہ یہ شہادتیں شرعی صورت میں ایک سی ہیں یا کچھ فرق رکھتی ہیں۔ آپ کے جواب کا مجھے انتظار ہے،[1] خدا جزائے خیر دے محدّثین کو جنھوں نے قواعد وضوابطِ روایات کو قرآن شریف ہی سے

[1]) یہ انتظار طبع کتاب ہذا تو پورا نہیں ہوا منہ

استنباط کیا ہے۔اور پھر ایک ایک روایت کو ان قواعد سے جانچا ہے۔مولانا حالی مرحوم نے محدّثین کے حق میں بالکل صحیح لکھا ہے۔

اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو! اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو!
سنا خازن علم و دین جس بشر کو! لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو!
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر

پس آپ کا یہ کہنا کہ ”اسناد اور جرح وتعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جاسکتا“۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ دنیا کی عدالتیں چاہے طاغوتی ہوں یا شرعی، بالکل ناقابل اعتبار ہیں۔ان کے فیصلے صحیح سمجھے جانے کے لائق نہیں ہیں۔پس آئندہ کو آپ ایک سلسلہ مضمون یہ بھی شروع کریں کہ دنیا کی کسی عدالت کا فیصلہ قابل اعتبار نہیں ہے۔مگر صرف یہ کہہ دینا کافی نہ ہوگا۔بلکہ قانونِ شہادت ایک نیا تجویز کرنا ہوگا۔جس پر یہ شعر صادق آئے گا،

ہم پیروی قیس نہ فریاد کریں گے ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

اخیر میں آپ کا یہ کہنا استعجاب سے خالی نہیں ہے کہ

”اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس پر بالکلیہ اعتماد نہ کیا جائے“۔

وہ باقی حصہ جس کے نہ ہونے سے اس سلسلہ محدّثین کو ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔وہ کیا ہے؟ اگر وہ حصہ وہ ہے جس کو آپ نے مجتہدین کا خاصہ بتایا ہے تو اس کا ذکر مع جواب درج ذیل ہے۔(اہلِ حدیث 21 ستمبر 45ء)

تیسری قسط

اعتزال

مولانا مودودی کی تنقید کو ہم بغور پڑھتے ہیں تو بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے کہ مولانا کا مسلک، اعتدال نہیں بلکہ ”اعتزال“ ہے،
اعتزال سے ہماری مراد وہ مصدر نہیں ہے جس سے معتزلہ فرقہ مشتق کیا جاتا ہے۔بلکہ اصلی معنی میں اعتزال مراد ہے۔اس لفظ کے معنی علیحدگی کے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں موصوف اپنی تحریرات میں عموماً مرزا صاحب قادیانی کا تتبعّ کرتے ہیں[1]۔
یعنی جس طرح مرزا صاحب قادیانی اپنی تحریرات میں کسی فن کی اصطلاحات کے پابند نہیں رہتے اسی طرح ہمارے مخاطب مولانا مودودی صاحب بھی اصطلاحاتِ سابقہ کے پابند نہیں رہتے۔بلکہ بزبان حال کہتے ہیں:

کوئے جاناں سے خاک لائیں گے اپنا صومعہ نیا بنائیں گے!

آج ہم اس دعوے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔مولانا موصوف لکھتے ہیں:

”محدّثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا اس لئے ان پر اخباری نقطہ نظر غالب ہوگیا تھا اور وہ روایات کو

---

[1]) تشبیہ قادیانی تتبع میں ہے قادیانی مذہب میں نہیں،منہ

معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں ۔ رہا فقیہانہ نقطہ نظر تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا ، اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا ۔ اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے ۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انھوں نے صحیح قرار دیا ہے ۔ حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں ، حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے ۔ یہاں اس کا موقع نہیں کی مثال دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے ۔ مگر جو لوگ امور شریعت میں نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدّثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے اور محدّثین کرام صحیح احادیث سے بھی احکام ومسائل کے استنباط میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں جو فقہاء مجتہدین نے رکھا ہے" . (تفہیمات ص 23-24)

مجیب : یہ اقتباس ہم کو دو باتوں کی اطلاع دیتا ہے ۔ ایک یہ کہ فقہ اور حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں اس کی فرع یہ ہے کہ فقیہانہ نظر اور محدّثانہ نظر بھی الگ الگ ہے ۔ اس موقع پر مولانا موصوف کو چاہیے تھا کہ وہ اپنی منظور نظر فقہ کی جامع مانع تعریف کر دیتے ۔ اگر ان کی نظر میں وہی تعریف صحیح ہے جو فقہاء کرام نے خود کی ہوئی ہے تو اسے ہم محدّثانہ روش کے خلاف نہیں پاتے وہ تعریف صاحب توضیح کے الفاظ میں یہ ہے ۔

"هو العلم بالاحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصيلية"

یعنی جو مسائل قرآن وحدیث سے استنباط کئے جائیں ۔ ان کو جاننا علم فقہ ہے ۔ اس تعریف کے مطابق آئیے ہم صحیح بخاری کا مطالعہ کریں اور اس مطالعہ میں ہم مدرسہ دیوبند ، مدرسہ رحمانیہ دہلی ، مدرسہ لہریا سرائے اور مدرسہ عمر آباد مدارس وغیرہ کے شیوخ حدیث کو یکجا جمع کر کے تکلیف دیں کہ وہ بعد غور وفکر ہمیں بتائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کو محض اسناد کی رو سے جمع کیا ہے یا فقیہانہ نظر سے بھی ان میں کام لیا ہے ۔ امام ممدوح کی "صحیح" سے ہم ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں ، آنحضرت علیہ السلام فوت ہوئے تو آپ کی زرہ گروی تھی ۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تقریباً بیس بائیس جگہ لائے ہیں اگر ان کی نظر صرف اسناد پر ہوتی تو ایک دفعہ روایت کر دینا کافی تھا ۔ پھر یہ تعدّد روایت فقیہانہ نقطۂ نظر سے پیدا ہوا ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روش بتاتی ہے کہ ممدوح نہ صرف خود محدّث اور فقیہ تھے بلکہ طالب علموں کے لئے فقیہہ گر تھے جزاه الله عنا وعن سائر الطالبين ہاں اس میں شک نہیں کہ سند ، حدیث کی روح ہے بلکہ محدّثین کی اصطلاح میں سند ہی حدیث ہے . صحیح مسلم کے مقدّمہ میں ہے اگر سند حدیث کی ضروری نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہہ لیتا اس موقع پر مجھے حضرت ابو الاستاد مولانا ذو الفقار علی مرحوم (مترجم حماسہ) کا شعر یاد آ گیا جو انہوں نے علم حدیث کی تعریف میں کہا ہوا ہے ۔

العلم ما كان فيه قال حدّثنا ! وما سوى ذاك وسواس الشياطين

ترجمہ: پختہ علم وہی ہے جس میں حدّثنا کی سند ہو ، باقی مشکوک ہے ۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ محدّثین فقیہانہ نظر سے خالی تھے ۔ یہ بات بھی طرداً للباب (چلتے چلتے) ظاہر کر دوں تو بے جا نہ ہوگا کہ فقہ اور فقیہانہ نظر دو قسم پر ہے ۔ اس کو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے واضح طور پر لکھا ہے فرماتے ہیں :

"ایک فقہ تو وہ تھی جو قرآن وحدیث سے استنباط کی جاتی تھی۔ دوسری وہ کہ متاخرین فقہاء نے سابقین فقہاء کے اقوال کو اصل قرار دے کران سے مسائل استخراج کرنے شروع کئے۔اس قسم کے مسائل کا مجموعہ فقہ "قسم ثانی" ہے"۔

جب میں صحیح بخاری کو پڑھتا ہوں تو ممدوح کی اصل نظر قرآن وحدیث پر پاتا ہوں، مگر گاہے بگاہے صحابہ وتابعین وغیرہ کے اقوال کو پیش کرکے بھی استخراج کرلیا کرتے ہیں۔گو ان کے اور سب محدّثین کے نزدیک حجتِ شرعیہ فقہ قسم اوّل ہی ہے اور فقہ قسم ثانی مع اس کے ماخذوں کے ان کے نزدیک حجتِ شرعیہ ملزمہ نہیں۔ بلکہ حجتِ اقناعیہ ہے۔اس لئے کہ انکا اصول ہے قول الصحابی لیس بحجة ہاں اعتدال کا مسلک چھوٹ نہ جائے اس لئے میں یہ کہنے سے نہیں رک سکتا کہ محدّثین میں ایسے حضرات بھی ہیں جن کی اصل غرض روایات جمع کرنا ہی ہے۔فقیہانہ استنباط ان کے مقصد کے علاوہ ہے۔مگر اجنبی اور غیر نہیں۔اس کی مثال صحیح مسلم ہمارے سامنے موجود ہے۔جو ایک ہی حدیث کو تحویلات کرکے مختلف سندوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔لطف یہ ہے کہ بعض اسناد میں اتنا باریک فرق ہوتا ہے جس کو واوٗ اور فاء کا فرق کہنا چاہیئے۔تیسری کتاب ہمارے سامنے صحیح ترمذی ہے۔اس کی روش ہی نرالی ہے وہ مثل امام بخاری کے استنباطی تراجم مقرر نہیں کرتے ہیں، مگر عموماً ہر باب کے اخیر میں فقہاء اسلام کے اقوال نقل کردیتے ہیں، جس سے مقصد ان کا یہ ہے کہ ذخیرۂ معلومات جمع کرکے طلباء کے سامنے رکھا جائے۔ (جزاهم الله عنّا)، اسی طرح دیگر کتب احادیث میں ہم کو محدّثانہ اور فقیہانہ نظریں ملتی ہیں، یہ تو فقہ اپنی تعریف کے مطابق ہے، جس کو ہم نے کتاب "توضیح" سے نقل کیا ہے۔اگر فقہ کی کوئی جدید تعریف مودودی صاحب کی نظر میں ہے تو ہم اس کو سننے کے متمنی ہیں۔آپ نے اسی اقتباس میں یہ فقرہ بھی لکھ دیا ہے:

ایک روایت کو انھوں (محدّثین رحمہم اللہ) نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں (حوالہ مذکور)۔

ہم قصورِ علم کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم اس فقرہ کو نہیں سمجھتے کہ معنی سے آپ کی مراد کیا ہے۔لفظی ترجمہ ہے یا کچھ اور۔اور اس کی مثال کون سی حدیث ہے جو سند کے لحاظ سے محدّثین کے نزدیک صحیح ہو اور معنی کے لحاظ سے فقہاء کے نزدیک اعتبار کے قابل نہ ہو۔ آپ کی رفعِ تکلیف کے لئے میں خود ہی ایک حدیث پیش کئے دیتا ہوں جس کو بعض فقہاء نے خلافِ قیاس کہہ کر نظرانداز کیا ہے۔جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص گائے یا بھینس مصرات[1] خریدے اس کا دودھ کم پائے اور اس کو واپس کرنا چاہے تو ایک صاع غلّہ یا کھجور اس کے ساتھ دے۔کہتے ہیکہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے۔محدّث اس کے جواب میں کہتا ہے۔یہ قیاس اصطلاحی نہیں ہے بلکہ آپ کی ذاتی رائے ہے جو ایک معنی سے حدیث کا مقابلہ ہے۔اب میں مولانا مودودی اور ناظرین کو بالائی منزل میں لے جانا چاہتا ہوں۔پس ناظرین غور سے سنیں۔

محدّثین سند حدیث کے ذریعہ سے متن حدیث کو لے کر گویا دربار رسالت میں پہنچ جاتے ہیں۔اس اعتبار سے وہ گویا رسالت کی زبان مبارک سے الفاظِ حدیث سن لیتے ہیں۔اس لئے ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی کہ ہمارا فہم یا قیاس اس متن حدیث کے مخالف ہے یا موافق وہ زبان اور دل کے اتفاق سے کہتے ہیں سمعنا واطعنا۔اس وقت ان کی زبان پر یہ وِرد ہوتا ہے۔

---

[1]) وہ گائے یا بھینس جس کو فروخت کرنے کیلئے دودھ پہلے سے روکا جائے۔

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار — مت دیکھ کسی کا قول وکردار
جب اَصل ملے تو نقل کیا ہے — یہاں وہم وخطا کا دخل کیا ہے

(اہلِ حدیث 28 ستمبر 45ء)

چوتھی قسط

مولانا مودودی کا مسلک

ہم خوش ہیں کہ مولانا مودودی نے اپنا عقیدہ اور مسلک مندرجہ ذیل الفاظ میں صاف صاف بتا دیا ہے. فرماتے ہیں:

"اس بحث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس طرح حدیث کو بالکلیہ ردّ کر دینے والے غلطی پر ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ بھی غلطی سے محفوظ نہیں ہیں جنھوں نے حدیث سے استفادہ کرنے میں صرف روایات ہی پر اعتماد کرلیا ہے.[1] مسلکِ حق ان دونوں کے درمیان ہے اور یہ وہی مسلک ہے جو ائمہ مجتہدین نے اختیار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مُرسَل اور مُتّصِل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں۔ یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے۔ یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں.[2]
یہی حال امام مالک رحمہ اللہ کا ہے۔ باوجودیکہ اخباری نقطۂ نظر ان پر زیادہ غالب ہے۔ مگر پھر بھی ان کے تفقّہ نے بہت سے مسائل میں ان کو ایسی احادیث کے خلاف فتوی دینے پر مجبور کیا، جنہیں محدّثین صحیح قرار دیتے ہیں۔ لیث بن سعد نے ان کی فقہ سے تقریبا ستر (70) مسئلے اس نوعیت کے نکالے ہیں. امام شافعی رحمہ اللہ کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں"۔ (تفہیمات ص 323-324).

مجیب: اصل بات پر مولانا مودودی نے غور نہیں کیا ان کو سہو ہوگیا۔ اصل بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مُرسَل حدیث کو ضعیف نہیں کہتے۔ دوسرے محدّثین کی دلیل یہ ہے ک حدیثِ مرسل میں صحابی کا نام متروک ہو جانے سے سلسلہ اِسناد منقطع ہوگیا۔ اور شبہ پیدا ہوگیا صحابی کے سوا کوئی اور راوی بھی نہ چھوٹ گیا ہو۔ اس لئے یہ سند کالعدم سمجھی جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ تابعی نے جو صحابی کو چھوڑ کر آنحضرت علیہ السلام کے نام سے روایت کیا ہے۔ یہ اس کا کمالِ اعتماد ہے۔ اس لئے سند میں خلل نہیں سمجھنا چاہئے۔ مولانا مودودی کے قابل غور ایک نکتہ ہے اگر غور کریں گے تو اس کا فیصلہ وہ خود ہی فرمائیں گے۔ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ "محدّثین نے جن راویوں کی نسبت اچھی یا بُری رائیں لکھی ہیں۔ ان کی محنت قابل شکریہ ہے۔ لیکن بشریت سے وہ بھی خالی نہ تھے۔ ممکن ہے ان راویوں میں ان سے غلطی ہوگئی ہو"۔

---

[1] ہندوستان کے قائلین حدیث خصوصاً اصحاب اہلِ حدیث مولانا مودودی صاحب کے اس فقرہ کو غور سے پڑھیں اور ہمیشہ کے لئے ملحوظ رکھیں تاکہ گفتگو کرتے وقت ان کو یہ فقرہ کام آئے.

[2] جناب کے علم و دیانت کا تقاضا کیا کہتا ہے؟ ہم اپنے علم و دیانت کا تقاضا اس مصرع میں ظاہر کر دیتے ہیں،
عام بمنت یک طرف آں شوخ تنہا یک طرف

اس بنا پر میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ جس صورت میں آپ محدّثین کی کھلی رائے کے متعلق غلطی کا امکان بتاتے ہیں۔اگر وہ محدّث کسی راوی کا نام ہی نہ لے جیسے مُرسَل کی صورت میں ہوتا ہے تو اس صورت میں یہ امکان ڈبل امکان ہو جائے گا۔یا نہیں۔یہی وجہ ہے کہ محدثین مُرسَل کو نہیں مانتے۔مگر امام ابوحنیفہ اس کو قابل استناد جانتے ہیں، یہ اختلات دراصل ایک اصولی اختلاف ہے۔اس کی مثال میں آپ کو بتاؤں تو مفید ہوگی، بعض علماء کے نزدیک مفہوم مخالف حجت ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔مفہوم مخالف کسے کہتے ہیں؟ کسی اسم یا فعل کو مقید بالوصف کر کے حکم لگایا جائے۔تو بعض علماء عدم وصف کے وقت اس پر حکم نہیں لگاتے۔بعض پھر بھی لگا دیتے ہیں، مثلاً آیت کریمہ " وربائبکم اللاتی فی حجورکم "یعنی تمہاری ربیبہ لڑکیاں جو تمہاری گودوں میں پرورش پاتی ہیں وہ تم پر حرام ہیں۔بعض اکابر نے اس کے مفہوم مخالف کو سند لے کر جوان ربیبہ سے نکاح کا فتوی دے دیا۔(ملاحظہ ہو تفسیر معالم وغیرہ)۔مگر جمہور علماء عدم جواز کے قائل ہیں۔کیونکہ مفہوم مخالف ان کے ہاں حجت نہیں۔پس یہ ایک اصولی اختلاف ہے۔اسی طرح مُرسَل کا حجت ہونا یا نہ ہونا اصولی اختلاف ہے۔یہ نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ حدیث کی صحت میں سند کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، نہ یہ ہے کہ سند کو کافی نہیں جانتے تھے۔اسی طرح امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ بھی کسی حدیث کو بلا سند صحیح نہیں کہتے تھے۔مولانا مودودی صاحب کو اگر اس پر اصرار ہے تو وہ چند حدیثیں بطور مثال ہم کو بتائیں جن کو ان حضرات نے سند کے لحاظ سے نہیں بلکہ فقیہانہ نظر سے صحیح مانا ہو،

أولئك آبائي فجئني بمثلهم　　　　إذا جمعتنا يا جرير المجامع

لیث بن سعد کے جن ستر (70) مسائل کا آپ نے ذکر کیا ہے آپ ان کو پیش کریں گے تو ہم بھی غور کریں گے۔ان کو حدیث سے ماخوذ بتائیں گے یا متروک ٹھہرائیں گے لیکن یہ سب کچھ مسائل مذکورہ پیش ہونے پر ہوگا۔سنی سنائی بات پر نہیں۔امام مالک رحمہ اللہ کا مؤطا ہمارے اور آپ کے سامنے ہے کھول کر ان مسائل کا حوالہ دے دیجئے،

اپنا تو یہ ہے قول آئے ہیں آیئے　　　　دعوی اگر کیا ہے تو کچھ کر دکھایئے

(اہلِ حدیث 5 اکتوبر 45ء)

پانچویں قسط

مولانا مودودی نے کھلے لفظوں میں حجیتِ حدیث سے انکار نہیں کیا۔نہ ہم ان کو کھلے منکرِ حدیث سمجھتے اور کہتے ہیں۔اسی لئے سلسلہ ہذا کی پہلی قسط میں ہم نے ان کی بابت بتصریح لکھ دیا تھا کہ،

"مولانا مودودی صاحب نے بڑی سچائی سے کام لیتے ہوئے ایک موقع پر علم حدیث کو واجب العمل تسلیم کیا ہے۔" (تفہیمات ص 316)

(اہل حدیث 14 ستمبر 45ء ص 3)

چونکہ ان کے شبہات سے منکرین حدیث کو قوت پہنچتی ہے اور یہ قوت شدید انکار کا موجب ہوتی ہے۔لہذا یہ نسبتِ مجازی اسی قسم سے ہے جس قسم سے آیت کریمہ کے الفاظ ہیں:

" کما اخرج ابویکم من الجنة " فاندفع ما اوردو ما کادیرد

مولانا مودودی کے شبہات کو ہم نے موجب قوتِ منکرین حدیث کہا ہے ۔اس کا ثبوت ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،
موصوف فرماتے ہیں:

”معاذ اللہ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ لوگ کسی حدیث کو حدیثِ صحیح جان کر اس سے انحراف کرتے تھے ۔نہیں، بلکہ اصل معاملہ تھا کہ ان کے نزدیک صحتِ حدیث کا مدار صرف اِسناد پر نہ تھا ۔بلکہ اِسناد کے علاوہ ایک کسوٹی بھی تھی جس پر وہ احادیث کو پرکھتے تھے اور جس حدیث کے متعلق ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ یہ حقیقت سے اقرب ہے اسی کو قبول کر لیتے تھے،خواہ وہ خالص محدّثانہ نقطہ نظر سے مرجوح ہی کیوں نہ ہو“ ۔ (تفہیمات ص323)

مجیب: اس اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ محدّثین اور مجتہدین کے مسلک الگ الگ ہیں ۔بعض احادیث محدّثین کے نزدیک بنظر سند ضعیف ہوتی ہیں، مگر مجتہدین بنظر فقاہت انہی کو راجح قرار دے کر ان پر عمل کرتے اور کراتے ہیں ۔اسی کا عکس القضیہ یہ ہیکہ محدّثین بعض احادیث کو بنظر سند صحیح سمجھتے ہوں گے اور مجتہدین بنظر فقاہت ان کو غلط قرار دے کر ردّ کر دیتے ہوں گے ۔اسی کی مزید تشریح مندرجہ ذیل اقتباس میں ملتی ہے ۔

”یہ دوسری کسوٹی کونسی ہے؟ ہم اس سے پہلے بھی اِشارۃً اس کا ذکر کئی مرتبہ کر چکے ہیں ۔جس شخص کو اللہ تعالی تفقہ کی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے ۔اس کے اندر قرآن اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غائر مطالعہ سے ایک خاص ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جواہر کی ناز ک سے نازک خصوصیات تک پرکھ لیتی ہیں ۔اس کی نظر بحیثیتِ مجموعی شریعتِ حقہ کے پورے سسٹم پر ہوتی ہے اور وہ اس سسٹم کی طبیعت کو پہچان جاتا ہے ۔اس کے بعد جب جزئیات اس کے سامنے آتی ہیں تو اس کا ذوق اسے بتا دیتا ہے کہ کونسی چیز اسلام کے مزاج اور اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے اور کون سی نہیں رکھتی ۔روایات پر جب وہ نظر ڈالتا ہے تو ان میں بھی یہی کسوٹی ردّ و قبول کا معیار بن جاتی ہے،اسلام کا مزاج عین ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج ہے جو شخص اسلام کے مزاج کو سمجھتا ہے اور جس نے کثرت کے ساتھ کتاب وسنتِ رسول اللہ کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا ہے ۔وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا مزاج شناس ہو جاتا ہے کہ روایات کو دیکھ کر خود بخود اس کی بصیرت اسے بتا دیتی ہے کہ ان میں سے کونسا قول یا کونسا فعل میری سرکار کا ہو سکتا ہے اور کون سی چیز سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرب ہے ۔یہی نہیں، بلکہ جن مسائل میں اس کو قرآن وسنت سے کوئی چیز نہیں ملتی ان میں بھی وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں مسئلہ پیش آتا تو آپ اس کا فیصلہ یوں فرماتے ۔ یہ اس لئے کہ اس کی روح روحِ محمدی میں گم اور اس کی نظرِ بصیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے ۔اس کا دماغ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور وہ اسی طرح دیکھتا اور سوچتا ہے جس طرح اسلام چاہتا ہے کہ دیکھا اور سوچا جائے ۔اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد انسان اِسناد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا ۔وہ اسناد سے مدد ضرور لیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا ۔وہ بسا اوقات ایک غریب، ضعیف، منقطع السند مطعون فیہ حدیث کو بھی لے لیتا ہے ۔اس لئے کہ اس کی نظر اس افتادہ پتھر کے اندر ہیرے کی جوت دیکھ لیتی ہے ۔اور بسا اوقات وہ ایک غیر معلَّل، غیر شاذ، متّصل السند مقبول حدیث سے بھی اعراض کر جاتا ہے اس لئے کہ اس جام زرّیں میں جو بادۂ معنیٰ؟ بھری ہوئی

ہے وہ اسے طبیعتِ اسلام اور مزاج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مناسب نظر نہیں آتی"۔ (تفہیمات ص 325-326)

مجیب: اس اقتباس میں الفاظ کی بھرمار سے مرزا غالب کا یہ شعر بے ساختہ منہ سے نکل جاتا ہے:

ملے تو حشر میں لے لوں زباں ناصح کی — عجیب چیز ہے یہ طولِ مدّعا کے لئے

ان دونوں اقتباسوں کو ملحوظ رکھ کر ہم قائلین حدیث سے عموماً اور اعیانِ اہل حدیث سے خصوصاً پوچھتے ہیں کہ اصول حدیث کی کتابوں میں کوئی اصل اور قاعدہ ان معنی کا بھی ملتا ہے۔ اگر ملتا ہے تو پتہ بتائیں۔ نہ ملتا ہو تو مولانا مودودی سے پوچھیں کہ "یہ جوہرِ بے بہا" آپ نے کہاں سے پایا اور یہ بھی سوال کریں کہ اس قسم کا مجموعۂ احادیث جو مجتہدین کے اختلافِ مسالک کی وجہ سے الگ ظہور میں آیا وہ کہاں ملتا ہے؟ کتب خانہ رامپور کی مطبوعہ کتابوں میں ہے یا بانکی پور کی قلمی کتابوں میں، ہم اس کے متلاشی ہیں۔ اگر پتہ چل جائے کہ عنقا کے گھونسلے میں ہے تو ہم وہاں بھی پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ہمارا شوق وہی ہے جو مولانا حالی مرحوم نے محدّثین رحمہم اللہ کا بتایا ہے؛

سنا خازنِ علمِ دیں جس بشر کو — لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو

ائمہ اربعہ کا اختلاف

ناظرین: مولانا مودودی کا جولانِ قلم ملاحظہ کیجئے کہ مذکورہ بالا ہر دو اقتباسوں کا رَدّ گویا آپ خود ہی فرماتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"یہ چیز چونکہ سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں آتی، نہ آسکتی ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف کی گنجائش پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی چنانچہ اسی وجہ سے ائمہ مجتہدین کے درمیان جزئیات میں بکثرت اختلافات ہوئے ہیں پھر یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ایک شخص کا ذوق لامحالہ دوسرے شخص کے ذوق سے کلیۃً مطابق ہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مسلک کے ائمہ نے بہت سے مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے اقوال میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ اس کی ایک روشن مثال ہیں"۔ (تفہیمات ص 324)

مجیب: ہم نے جو کہا ہے کہ یہ اقتباس پہلے دو اقتباسوں کا رَدّ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہدین کے اختلافِ مذاہب کا فیصلہ کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ان کے اپنے اختلافِ ذوق پر مبنی ہے۔ اس لئے نہ کوئی حنفی شافعی کو اور نہ شافعی حنفی کو کہہ سکتا ہے کہ تمہارا افلاں مسئلہ غلط ہے۔ کیونکہ وہ جواب میں کہہ دے گا میرے امام کا ذوقِ سلیم یہی کہتا ہے۔ جو میں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ ذوقی اختلاف گویا اس شعر کا مصداق ہوا،

مجھے تو ہے منظور، مجنوں کو لیلیٰ — نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

نوٹ: مولانا مودودی کے ان اقتباسوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ ہدایہ کا بہت سے مسائل میں روایات کے متعلق یہ کہنا "هو حجة على الشافعي" صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں مجتہدوں کا ذوق الگ الگ ہے پھر ایک کی روایت دوسرے پر حجت کیسی۔ بلکہ اس شعر کی مصداق ہوئی،

نہ وہ میری مانے، نہ میں ناصحوں کی نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا!

(اہل حدیث 12 اکتوبر 45ء)

چھٹی قسط

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ بقولِ مولانا مودودی ہر امام اور فقیہ کا ذوق الگ الگ تھا خصوصاً ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا ذوق بالکل جدا جدا تھا۔ ہر اِمام اپنے ذوق کے مطابق فتویٰ دیتا تھا۔ اس کے آگے مولانا فرماتے ہیں:

"پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر مجتہد کا ذوق ہر مسئلہ میں صواب ہی کو پہنچ جائے۔ انسان بہرحال کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا مجتہد بھی غلطی کرسکتا ہے اور کر جاتا ہے۔ اسی بنا پر ائمہ مجتہدین ہمیشہ ڈرتے رہے ہیں اور انھوں نے ہمیشہ اپنے متبعین کو ہدایت کی ہے کہ ہم پر بالکل اعتماد نہ کرلو۔ خود بھی تحقیق کرتے رہو اور جب کوئی سنت ہمارے قول کے خلاف ثابت ہو جائے تو ہمارے قول کو رد کر کے سنت کی پیروی کرو۔

امام اَبو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا يحل لأحد أن يقول مقالتنا حتى يعلم من أين قلنا"۔

اِمام زفر رحمہ اللہ کا قول ہے: "إنما نأخذ بالرأي مالم نجد الأثر فإذا جاء الأثر تركنا الرأي وأخذنا بالأثر"۔

اِمام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: "إنما أنا بشر أخطئ وأصيب فانظر في رائي فكلّما وافق الكتاب والسنة فخذوه وكلّما لم يوافق الكتاب والسنة فاتركوه"۔

اِمام شافعي رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ: "إذا صحّ الحديث فاضربوا بقولي الحائط لا قول لأحد مع سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔

غرض یہ کہ تمام ائمہ بالاجماع کہتے ہیں کہ جس شخص پر کسی مسئلہ میں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم روشن ہو جائے اس کے لئے پھر کسی دوسرے شخص کا قول لینا حرام ہے خواہ وہ کیسے ہی بڑے مرتبہ کا شخص ہو"۔ (تفہیمات ص 324-326)

مجیب: اس اقتباس کو میں نے غور سے پڑھا تو میں اپنی سمجھ ناقص کے مطابق اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ مقولہ لکھتے ہوئے کتاب "معیار الحق" (مصنفہ حضرت مولانا شمس العلماء نذیر حسین المعروف میاں صاحب مرحوم مغفور) مولانا مودودی کے زیرِ نظر ہوگی۔ کیونکہ یہ مضمون معیار الحق کا گویا خلاصہ ہے۔ اور اس اقتباس کا خلاصہ یہ اشعار ہیں۔

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے دُردانۂ دُرجِ مصطفیٰ ہے

صوفی و عالم حکیمِ دینی!!	کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا!	جس نے پایا یہیں سے پایا
گو غوث و قطب و مقتدا ہے	وہ بھی اسی در کا ایک گدا ہے
جب اصل ملے تو نقل کیا ہے	یہاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے
ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار	مت دیکھ کسی کا قول و کردار

یہی وہ مسلک ہے جس کو لے کر خالص اہلِ حدیث اُٹھتے تھے اور اب تک بفضل خدا اسی پر قائم ہیں۔ اس لئے اس اقتباس کی روشنی میں اہلِ حدیث آپ سے معانقہ کرتے ہوتے یہ شعر پڑھتے ہیں،

رات تھوڑی حسرتیں دل میں بہت	صلح کیجئے بس لڑائی ہو چکی

مولانا اجازت دیں تو چلتے چلتے ایک بات دریافت کرلیں۔ ہم آپ کے پہلے اقتباسوں میں یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ فقہاء اور محدّثین میں مسلک کا اختلاف تھا۔ بعض روایتوں کو محدّث اِسناد کی نظر سے ضعیف (یا موضوع) کہہ دیتے تھے۔ مگر فقیہ فقیہانہ نظر سے ان کو صحیح سمجھ کر ان پر عمل کرلیتے تھے۔ اس موقع پر میں اپنے قصورِ علم کا اعتراف کرکے یہ پوچھتا ہوں کہ چاروں مجتہدین کا ذوق تو آپ نے فرما دیا کہ الگ الگ تھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ان کے ہر ایک مسئلہ کا صحیح ہونا بھی ضروری نہیں تھا اس لئے کہ وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مسائل کو سنتِ مطہّرہ پر جانچ کر قبول کرلیا کرو۔ جزاك الله

اے وقت تو خوش باد کہ وقت ما خوش کردی

پس میں پوچھتا ہوں کہ مولانا وہ سنتِ مطہرہ کی کسوٹی ہمارے پاس کس طریقے سے پہنچے گی۔ اسناد کے ذریعے یا مجتہدوں کے ذوقِ سلیم کے ذریعہ سے۔ مجتہدین کے ذوقِ سلیم کو تو آپ سنتِ مطہّرہ کا محتاج مانتے ہیں لیکن سنتِ مطہّرہ کیا چیز ہے اور ہمارے پاس اس کے آنے کا ذریعہ کیا ہے؟ پس یہ عقدہ جس طرح ہو جلدی حل کر دیجئے۔ ع

بس اس جواب پہ ٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

مختصر یہ ہے کہ آپ کا اور ہمارا اس امر پر تو اتفاق ثابت ہوگیا کہ آپ مسائل فقہ کو محتاج الی القرآن والسنة مانتے ہیں۔ مگر اس میں اختلاف ہے (خدا کرے یہ بھی نہ رہے) کہ احادیث کا ذریعہ علم ہمارے نزدیک صرف اسناد ہے۔ اور آپ کے نزدیک مجتہدانہ ذوق بھی ذریعۂ علم ہے۔

پس اس مزیت کا ثبوت آپ کے ذمہّ ہے۔ اگر میں کہوں کہ آپ خود ہی اپنے سابقہ دعوے کی تردید اس اقتباس میں فرما چکے ہیں تو غالباً غلط نہ ہوگا۔

دوسرا اختلاف: آپ کا اور ہمارا دوسرا اختلاف اس امر میں ہے کہ آپ ایک طرف احادیث پر عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں (جزاک اللہ) مگر دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ ان پر پورا اعتماد نہیں۔ پس آپ کا ہمارا اختلاف منطقی اصطلاح میں یہ ہے کہ ہم قضیہ

ضروریہ۔مطلقہ موجبہ کے قائل ہیں اور آپ اسکے ساتھ ممکنہ عامہ سالبہ کو بھی ملاتے ہیں۔اس بارے میں مدارسِ عربیہ کے علماء اور طلباء جوفیصلہ کرسکتے ہیں۔جوحضرت مولانا مودودی سے حسن ظن رکھتے ہیں وہ اپنا حسن ظن بحال رکھ کر ہمارے اس اختلاف میں انصاف سے فیصلہ فرمائیں گے تو ہم سن کرخوش ہوں گے،

تمہیں تقصیر اس بُت کی جو ہے میری خطا لگتی مسلمانو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی!

(19اکتوبر45ء)

ساتویں قسط

مولانا کا مخصوص عقیدہ

ساتویں قسط علماء اہلِ حدیث کے لئے خاص طور پر قابل توجہ ہے کیونکہ اس میں مولانا مودودی کا عقیدہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث کوتفسیرِ قرآن مانتے ہیں جزاہ اللہ خیر الجزاء۔باوجود اس کے ہم نے اس نمبر کا اضافہ کیوں کیا؟اس نمبر میں اس کا جواب دینا ہمارا مقصود ہے۔پہلے مولانا موصوف کا عقیدہ ان کے الفاظ میں سنیئے۔

”قرآن مجید ہدایت کے لئے کافی ہے۔اس میں وہ صحیح علم موجود ہے جس کی روشنی میں انسان صراط مستقیم پر چل سکتا ہے اور اس میں وہ تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن پر اللہ کا پسندیدہ دین قائم ہے۔مگر اس علم سے فائدہ اٹھانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ طالب علم استفادہ کی خاص نیت رکھتا ہو اور ان مبادی سے واقف ہو جو قرآن کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔دوسرے یہ کہ ایک ماہرِفن استاد موجود ہو جو کتاب اللہ کے نکات سمجھائے،آیات کا صحیح معنی ومفہوم بتائے،احکام پر خود عمل کر کے دکھائے،اور قوانین کو عملی زندگی میں نافذ کر کے ان کا تفصیلی ضابطہ مقرر کر دے،پہلی چیز کا تعلق ہر شخص کی اپنی ذات سے ہے۔رہی دوسری چیز،تو اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔کتاب کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی غرض سے بھیجا گیا تھا کہ آپ اس ماہرِفن کی ضرورت کو پورا کریں۔آپ نے استاد کی حیثیت سے جو کچھ بتایا اور سکھایا ہے وہ بھی اسی طرح خدا کی طرف سے ہے۔اس کو”غیر از قرآن“کہنا صحیح نہیں ہے۔جو شخص اس کی ضرورت کا منکر ہے اور قرآن کو اس معنی میں کافی کہتا ہے کہ اس کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے نبی صل اللہ علیہ وسلم کام کی علمی وعملی ہدایت کی حاجت نہیں ہے۔وہ دراصل یہ کہتا ہے کہ صرف قرآن کی تنزیل کافی تھی۔خدا تعالیٰ نے نعوذ باللہ یہ فعل عبث کیا کہ اس کے ساتھ رسول کو بھی مبعوث کیا“. (تفہیمات ص338)

مجیب: ناظرین کرام! بالفاظ مولانا مودودی منکرین حدیث کے اس فقرہ کو حیرت کی نظر سے دیکھیں گے اور تعجب کے کانوں سے سنیں گے۔موصوف نے یہ کیا فرمایا ہے کہ:

خدا تعالیٰ نے نعوذ باللہ یہ فعل عبث کیا کہ اس کے ساتھ رسول کو بھی مبعوث کیا۔

مجیب: منکرین حدیث اس کے جواب میں کہیں گے کہ رسول کے معنی ہی”پیغام پہنچانے والا“رسول کی ولادت قرآن پر دلالت تضمنی

ہے۔ایک کامفہوم دوسرے سے الگ کیسے متصوّر ہوسکتا ہے، یہ کیونکر ممکن تھا کہ پیغام پہنچے اور پیغامِ رساں نہ پہنچے. خیر یہ تو آپ کااور اہلِ قرآن کاباہمی مکالمہ ہوگا، ہم نے جو آپ کامطلب سمجھا ہے اس کے متعلق اپنا مافي الضمير عرض کرتے ہیں۔آپ کے اس اقتباس کامطلب یہی سمجھااور یہی ہے کہ قرآن متن ہے مثل کافیہ کے،اوراحادیث نبویہ اس کی تفسیر ہیں مثل شرح جامی کے۔اس لئے دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔بالکل سچ ہے۔جزاک اللہ! آپ نے خوب کہامگر قدبقي الخبايا في الزوايا ابھی بہت کچھ مخفی ہے۔

اول: قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

"واخواتكم من الرضاعة" (تمہاری دودھ بہنیں تم پرحرام ہیں)

اس آیت کی یہ تفسیر تو بالکل صاف ہے کہ ایک لڑکے نے کسی عورت کی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا وہ اس کی ہمشیرہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے،مگر اس لڑکی کی حقیقی خالہ اس لڑکے پر اس رضاعت کی وجہ سے حسبِ تفسیر آیت کے حرام نہ ہونی چاہئے۔حالانکہ حدیث کی رو سے حرام ہے۔

علی ھٰذا القیاس کسی لڑکی نے کسی لڑکے کے ساتھ مل کر دودھ پیا تو وہ لڑکی اس رضیع کے حق میں اس آیت کی تفسیر میں آجائے گی۔ مگر اس لڑکے کے والد، چچا،اور ماموں کارشتہ اس لڑکی کے ساتھ کیوں حرام ہوگا؟ کیونکہ تفسیر میں وہ چیز داخل ہوتی ہے جس کو متن کالفظ متحمل ہو.مثال کے طور پر" کافیہ" کی عبارت پیش کرتا ہوں یعنی لفظ "وضع لمعنى مفرد" شارح جامی نے اس عبارت میں" مفرد" کو مرفوع ومجرور بنا کر بلاکھٹکا تشریح کردی لیکن مفرد (منصوب) کی حالت نصب میں جب تشریح کرنی چاہی تو کھٹکا ہوا کہ اس پر نصب کی علامت نہیں ہے۔اس لئے اس تیسری ترکیب کو معذرت کرکے داخل کیا۔مجروراور مرفوع کیلئے کوئی معذرت نہیں کی کیونکہ ان دونوں ترکیبوں کیلئے مفرد متحمل تھا.

مختصر یہ کہ متن متحمل ہو تو شرح اس کو کھول سکتی ہے.غیر جنس کو شرح داخل نہیں کرسکتی فإنهم لعلّه دقيق.

مذکورہ بالا رشتے ایک مرفوع حدیث کے ماتحت حرام ہیں چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب" (دودھ سے مثل نسب کے حرمت ثابت ہوتی ہے)۔ فرمائیے یہ حدیث آیتِ مذکورہ کی تفسیر ہے یا حکمِ جدید؟بينوا تؤجروا۔

دوّم: آیت کریمہ "أن تجمعوا بين الأختين" یعنی دو بہنوں کوایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔صدق اللہ۔

آپ کے قابل غورسوال یہ ہے کہ آخت کالفظ پھوپھی اور خالہ کو شامل نہیں۔حدیث میں جو آیا ہے کہ کسی منکوحہ لڑکی کو اس کی پھوپھی کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔اسی طرح کسی منکوحہ کو اس کی خالہ کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔کیا یہ اس آیت کی تفسیر ہے یا حکمِ جدید.

سوّم: آیت کریمہ "الزانية والزاني" (سورہ نور)

اس آیت میں زانی مرد،عورت کی سزا(100) سو دُرّے (بید شدید) آئی ہے۔۔حدیث میں آیا ہے جس مرد اور عورت نے ایک دفعہ

نکاح کرلیا ہو۔ پھر ان سے زنا کا فعل صادر ہو۔ تو ان کی سزا رجم (پتھراؤ) ہے کیا یہ اس آیت کی تفسیر ہے یا حکمِ جدید؟

چہارم: "السّارق والسّارقة فاقطعوا أيديهما" یعنی چور مرد ہو یا عورت اس کے ہاتھ کاٹ دو۔

اس چوری کا نصاب جو حدیثوں میں آیا ہے وہ ربع دینار یا دس درہم کی چیز ہے۔ یہ قید اس آیت کی تفسیر میں کیسے داخل ہو سکتی ہے؟ کیونکہ آیت تو عام ہے چاہے پیسے کی چوری ہو یا روپے کی۔ ایک دینار کی ہو یا سو دینار کی۔

یہ چند مثالیں ہم نے بیان کی ہیں۔ اگر بالاستیعاب سب مثالیں لکھی جائیں تو اچھی خاصی ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ مگر ہم بحکمِ خیر الکلام ما قلّ ودلّ چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہوئے بقول مرزا غالب مرحوم

نہ دے نامے کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

پس مختصر یہ ہے کہ آپ نے منکرین حدیث سائل کے جواب میں جو حدیث کو قرآن مجید کی تفسیر بتا کر اس کو ساکت کیا ہے۔ بہت اچھا کیا۔ ہماری ان مثالوں کے جواب میں حدیث کو مثبت حکمِ شرعی مان کر خود پسند فرمائیں! تا کہ ہمیں بھی کہنے کا موقع ملے۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

(اہل حدیث 26 اکتوبر 45ء)

آٹھویں قسط

سنّت پر عمل سے انحراف

اب ہم وہ اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا موصوف کا مسلک کیا ہے۔ اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو واجب العمل سنت نہیں جانتے اور یہ بھی جو اصطلاحات علماء اہل حدیث کی متعلقہ سنت و بدعت رائج ہیں، مولانا موصوف ان کے بھی پابند نہیں۔ لطف یہ اپنی طرف سے بھی کوئی اصطلاح مقرر نہیں کرتے۔ چنانچہ رسالہ "ترجمان القرآن" کا مندرجہ ذیل اقتباس قابل ملاحظہ ہو۔ ناظرین بغور پڑھیں موصوف فرماتے:

"میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط، دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں۔ جو بالعموم آپ حضرات (فقہاء اور محدّثین) کے ہاں رائج ہیں۔ آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑی داڑھی رکھتے تھے۔ اتنی ہی بڑی داڑھی رکھنا سنتِ رسول یا اسوۂ رسول ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عاداتِ رسول کو بعینہ وہ سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریفِ دین ہے[1]۔ جس سے نہایت برے نتائج پہلے بھی ظاہر ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے"۔

---

[1] ناظرین ان الفاظ کو یاد رکھیں۔ کیونکہ یہی امور زیر بحث اور مابہ النزاع ہیں۔

(ترجمان القرآن جلد 26 عدد 403، 605 ص 274 بابت مئی، جون 45ء)

مجیب: علماء حدیث ان اصطلاحات کے متعلق جوالفاظ استعمال کرتے ہیں۔وہ کتبِ اصول میں موجود ہیں،اسوہ سے مراد ان کی فعل نبوی ہے۔قرآن مجید میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

"لقد كان لكم فى رسول الله أسوة حسنة" اسی بناپر صحابہ کرام ازواجِ مطہرات سے پوچھا کرتے تھے کہ آنحضرت علیہ السلام گھر میں رہ کر کیا کام کیا کرتے ہیں؟ ازواج فرماتیں كان فى مهنة أهله. (بخاری) "حضور گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہتے" صحابہ کی غرض اس سوال سے یہی ہوتی تھی کہ ہم بھی اپنے گھروں میں وہی کام کریں جو آنحضرت علیہ السلام کیا کرتے ہیں تاکہ اسوۂ حسنہ کی تعمیل مکمل ہوجائے۔بدعت کی تعریف بھی علماء حدیث کے نزدیک وہی ہے جو حدیث میں یوں آئی ہے۔

"من أحدث فى أمرنا هذا ليس منه فهو رَدّ" (مشکوۃ شریف)

"جو شخص دین اسلام میں کوئی نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔"

پس یہی بدعت ہے۔اسوہ اور سنت دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ان دونوں کا ملخص یہ ہے۔

ما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم

مولانا مودودی کو چاہئے تھا کہ ان اصطلاحات پر ناراضگی کا اظہار کرکے اپنی اصطلاحات پیش کرتے۔مگر انھوں نے وہی کیا ہے جو کسی شاعر نے کیا تھا۔اس نے ایک مولوی صاحب کے حق میں جن سے اس کو کچھ چپقلش تھی یہ شعر کہا تھا،

واعظِ شہر کو مردم لکش می خوانند   قولِ ما نیز است کہ او مردم نیست

یعنی شاعر کہتا ہے کہ "لوگ مولوی صاحب کو فرشتہ کہتے ہیں۔ہم بھی ان کے حق میں یہی کہتے ہیں کہ وہ آدمی نہیں ہیں"۔باقی رہی یہ بات کہ وہ ہیں کیا؟ یہ دربطن شاعر۔

اسی طرح جناب مودودی صاحب نے کمال کیا کہ ان اصطلاحات کے متعلق اپنا عندیہ ظاہر نہیں کیا۔اگر ظاہر کردیتے تو ہم بھی اس پر غور کرتے۔اب تو آپ اس مصرع کے تحت بخیریت رہے۔

نگفتہ ندارد کسے با تو کار!

آپ نے بڑی خفگی کے لہجے میں ان اصطلاحات کے ماتحت ہمیں برے نتائج سے ڈرایا ہے۔ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہیں،

ناصحا اتنا تو دل میں تو سمجھ اپنے کہ ہم   لاکھ نادان ہیں،کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

مولانا مودودی صاحب جب ان اصطلاحات کی خرابیوں کا اظہار کریں گے۔جو ان کے ذہن میں ہے تو ہم بھی ان کا جواب دیں گے یا قبول کرلیں گے سرِ دست تو ہم ان خرابیوں کو بچوں کا ہوّا سمجھتے ہیں۔

ایک لطیف واقعہ: کئی سال ہوئے آگرہ میں ایک جلسہ اسلامیہ ہوا تھا جس میں مختلف مذاہب کے واعظ جمع تھے۔سنی بھی تھے،

شیعہ بھی تھے۔میرے جیسے اہل حدیث بھی تھے۔میں نے اپنی تقریر میں بڑی نرمی کے ساتھ اتباعِ سنت کا شوق دلانے کو کہا۔جو کام حضور علیہ السلام نے کیا وہ بلا کھٹکا کرو جو نہیں کیا وہ مت کرو۔میرے دل میں چونکہ بدعات مروّجہ سے نفرت تھی۔اس لئے میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ حضور علیہ السلام نے اگر تعزیہ بنایا تھا تو بنالو۔اگر نہیں کیا تھا تو چھوڑ دو۔شیعہ جماعت بھی اس جلسے میں شریک تھی۔ان کے ایک زبردست واعظ بھی موجود تھے۔وہ بھلا اس اصول کو سن کر کیسے خاموش رہتے۔میرے بعد وہ اسٹیج پر آئے۔آنحضرت علیہ السلام کی بڑی تعریف کی آپ کو بہت بڑھایا نتیجہ کے طور پر بتایا کہ" یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسے نبی نے جو کچھ کیا تھا وہی ہم کریں"
مطلب یہ تھا کہ اتباعِ سنت کی پابندی ہم سے اٹھا دی جائے۔بلکہ ہمیں آزاد چھوڑ دیا جائے جس رسم کو چاہیں داخل مذہب کرلیں۔میں نے یہ سن کر کہا سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "أيحسب الإنسان أن يترك سدى"
اب میں بتاتا ہوں کہ مولانا مودودی صاحب نے مذکورہ اقتباس میں اپنا جو خیال بتایا ہے۔دراصل یہ حنفی مسلک ہے۔کتبِ اصول "نورالانوار" وغیرہ میں لکھا ہے کہ افعالِ نبوی دو (2) قسم کے ہوتے ہیں۔سُنن ھدی اور سنن زوائد۔
سُنن ھدی،ان افعال کو کہتے ہیں جو از قسم عبادت ہوں اور ان پر ثواب مرتب ہو۔اور سُنن زوائد، وہ ہیں جو بنیت عبادت نہیں بلکہ بطور عادت کے کئے ہوں۔چنانچہ وہ انہی میں مندرجہ ذیل افعال نبویہ کو شمار کرتے ہیں۔صبح کی سنتیں پڑھ کر دائیں کروٹ ذرا سا لیٹ جانا۔دوسری اور چوتھی رکعت کو اٹھتے وقت ذرا بیٹھ جانا۔جس کو" جلسہ استراحت" کہتے ہیں۔عیدالفطر کی نماز کو کچھ کھا کر جانا۔اور عیدالاضحیٰ کی نماز کو بغیر کھائے جانا۔اس قسم کے بہت سے افعال نبویہ حنفیہ کے نزدیک سنن زوائد میں داخل ہیں۔محدّثین کے نزدیک یہ سب سُنن ھدی ہیں۔صحابہ کرام کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حتی الامکان کسی فعل کو نہیں چھوڑتے تھے۔ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت روایت ہے کہ وہ مکہ،مدینہ کے درمیان ایک مقام پر پہنچ کر ضرور اونٹ سے اتر آتے اور پیشاب کرنے بیٹھ جاتے۔پوچھنے پر فرمایا کہ میں نے آنحضرت علیہ السلام کو یہاں پر بیٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔

مجھے تو ہے منظور، مجنوں کو لیلیٰ — نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

ہمیں مولانا مودودی کے اس مسلک پر اعتراض نہیں،بلکہ ہم خوش ہیں کہ انہوں نے اپنا مسلک صاف لفظوں میں بتادیا۔گو انھوں نے یہ حوالہ نہیں دیا کہ یہ کس گروہ کا مسلک ہے۔شاید یاد نہ ہوگا۔قرآن مجید غور سے پڑھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ "قل إن كنتم تحبّون الله فاتّبعوني" اپنے معنی میں بہت وسیع ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے افعالِ نبویہ کو شامل ہے،سُنن ھدی اور زوائد کا امتیاز باقی نہیں رہنے دیتی بلکہ بآواز بلند کہتی ہے،

بندۂ عشق شُدی ترکِ نسب کُن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

(اہلِ حدیث 2 نومبر 45ء)

نویں قسط

مولانا مودودی کا فتویٰ درباره تقلید وعدم تقلید

کچھ شک نہیں کہ لفظ تقلید بمعنی معروف نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، بلکہ علماء اصول کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جب سے ہندوستان میں بحثِ تقلید کا چرچا ہوا ہے۔ اس لفظ کی تعریف وتشریح کافی سے زیادہ شائع ہو چکی ہے۔ ان ساری تشریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ تقلید ہے "أخذ قول غير النبي من غير معرفة دليله" "مسلم الثبوت" وغیرہ کتب اصول اس تعریف کی حامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی غیر نبی کے مسئلہ شرعی کو مان لینا اس کی دلیل جاننے کے بغیر یہ اس کی تقلید ہے۔ مثلاً دو شخص بغرض سوال ایک عالم کے پاس جائیں اور پوچھیں کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم کیا ہے؟ واجب ہے یا حرام؟ وہ مولوی صاحب فرمادیں کہ واجب ہے یا حرام۔ صرف اس کے اتنے قول پر یقین کرنے والا اس مفتی کا مقلد ہے۔ اور اگر پوچھے کہ آپ کے فتویٰ کی دلیل کیا ہے اور وہ مفتی صاحب اپنے فتوے کی دلیل میں آیت یا حدیث پیش کریں تو وہ غیر مقلد ہے۔ فتویٰ چاہے وجوبِ فاتحہ کا ہو یا حرمت کا۔ اس سے بحث نہیں۔ چونکہ خدا اور رسول کا حکم خود اپنے اندر دلیل رکھتا ہے اس لئے صاحب "مسلم الثبوت" نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا۔

"فالرجوع إلى الرسول ليس بتقليد" (رسول کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے)۔

کیونکہ رسول کا قول کسی دوسرے قول کا محتاج نہیں بلکہ وہ اس مثال کا مصداق۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اس تمہید کے بعد مولانا مودودی کا فتویٰ سننے کے قابل ہے، آپ فرماتے ہیں:

"اسلام میں دراصل تقلید سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کی نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید بھی اس بنا پر ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ کے اِذن اور فرمان کی بنا پر ہے۔ ورنہ اصل میں تو مُطَاع اور آمر اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں۔ ائمہ کی پیروی کی حقیقت صرف یہ ہے کہ ان ائمہ نے اللہ اور رسول کے احکام کی چھان بین کی۔ آیاتِ قرآنی اور سنتِ رسول سے معلوم کیا کہ مسلمان کو عبادات اور معاملات میں کس طریقے پر چلنا چاہیئے۔ اور اصولِ شریعت سے جزئی احکام کا استنباط کیا۔ لہٰذا وہ بجائے خود آمر ونَاھی نہیں ہیں۔ نہ بذاتِ خود مطاع اور متبوع ہیں۔ بلکہ علم رکھنے والے کے لئے علم کا ایک معتبر ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ جو شخص خود احکامِ الٰہی اور سُنَنِ نبوی میں نظر بالغ نہ رکھتا ہو اور خود اصول سے فروع کا استنباط کرنے کا اہل نہ ہو۔ اس کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ علماء اور ائمہ میں سے جس پر بھی اسے اعتماد ہو اس کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کرے۔ اگر کوئی شخص اس حیثیت سے ان کی پیروی کرتا ہے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کو بطور خود آمر ونَاھی سمجھے یا ان کی اطاعت اس انداز سے کرے جو اصل آمر ونَاھی کی اطاعت ہی میں اختیار کیا جا سکتا ہو، یعنی ائمہ میں سے کسی کے مقرر کردہ طریقے سے ہٹنے کو اصل دین سے ہٹ جانے کا ہم معنی سمجھے اور اگر کسی ثابت شدہ صریح آیتِ قرآنی کے خلاف ان کا کوئی مسئلہ پایا جائے تب بھی وہ اپنے امام کی پیروی پر

اصرار کرے تو یہ بلا شبہ شرک ہوگا"۔ (ترجمان القرآن ماہ رمضان وشوال 63ھ ص 86)

مجیب: اس اقتباس میں مولانا موصوف سے اگر غلطی نہیں تو سہو ونسیان ضرور ہوا ہے کہ تقلید کے جو معنی علمائے اصول کی اصطلاح میں ہیں ۔انھوں نے چھوڑ دیئے ہیں ۔ یا اس سے ان کو بھول ہوگئی ۔ان معنی سے کوئی رسول کا مقلد نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ تقلید دل سے بے علمی کا نام ہے. چنانچہ حجت الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کتاب "المستصفی" میں لکھتے ہیں کہ "التقلید لیس فی شیئ من العلم" (تقلید علم کا درجہ نہیں) تو جو شخص رسول علیہ السلام کی بات سن کر مانے اس کو اصل دلیل کا علم حاصل ہو چکا۔ وہ مقلد کیسے ہوا ؟ مولانا موصوف کو سہو ہوگیا ہے ۔کیونکہ انھوں نے خیال نہیں فرمایا کہ تقلید علماء اصول کے نزدیک تو بے علمی کا درجہ ہے اور علماء فلسفہ کی اصطلاح میں عدم ملکہ کا درجہ ہے. فافھم فإنه دقیق.

مختصر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع فرض وواجب ہے. تقلید فرض واجب نہیں، بلکہ ان کی اتباع کو تقلید کہنا جائز ہی نہیں ۔ ورنہ لازم آئے گا کہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب مقلد تھے. اگر ایسا ہوتا تو مولانا روم جیسے صوفی بزرگ مقلد کی شان میں یہ شعر کیوں لکھتے ،

آں مقلد ہست چوں طفل علیل ! گرچہ دارد بحث باریک و دلیل !

(مقلد بیمار بچے کی طرح ہے چاہے حجتیں اور باتیں بہت بنائے) (مثنوی)

کیا مولانا کا یہ حکم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لگ سکتا ہے ہر گز نہیں ۔

لطیفہ گذشتہ: چند سال گزرے ہیں کہ میرا مکالمہ دربارہ تقلید میرے مکرم دوست مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی سے ہوا تھا۔ جو اخبار "اہلحدیث" اور "العدل" گوجرانوالہ میں شائع ہوتا رہا۔ [1]

موصوف نے اس میں ایک نئی بات پیدا کی تھی کی سب سے پہلا غیر مقلد شیطان تھا۔جس نے خدا سے سجدہ آدم کے لئے دلیل طلب کی تھی ۔میں اس وقت بھی سن کر حیران ہوا تھا کہ ہمارے مخاطب اپنی کتبِ اصول سے جن پر ان کو ناز ہے کیوں ایسے بے خبر ہو گئے ہیں کہ وہ شیطان کو خدا سے طالبِ دلیل کہہ کر غیر مقلد بناتے ہیں وہ نہیں سوچتے کہ خدا کے حکم سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے ۔

امرتسر کے ایک جلسے دیوبندیہ میں مولوی خیر محمد صاحب جالندھری نے بھی یہی مضمون میرے جواب میں کہا تھا۔ جس سے مجھے مزید تعجب ہوا. آخر مجھے امام غزالی کے قول سے تسلی ہوئی کہ تقلید علم کا درجہ نہیں ۔

مولانا مودودی نے علماء مجتہدین کا جو منصب بتایا ہے وہ ٹھیک ہے کہ وہ موجد حکم نہیں بلکہ مبلغ حکم ہیں. مگر عامی لایعلم کو ان (مجتہدین) کے بتائے ہوئے مسئلے کا مقلد بنانا قابل غور بات ہے ۔

کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے یا نتیجہ یہ ہوا کہ سائل ان ائمہ سے ایک امام کو اپنا واجب الاتباع ضرور قرار دے لے. حالانکہ یہ کوئی دینی

---

[1] یہ مضمون بعد میں بصورت رسالہ موسومہ "تنقید تقلید" طبع ہوا

الھیہ قام کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی خوش فہمی ہے.

مسئلہ نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ عامی آدمی کو اپنے ہر مخاطب عالم سے مسئلہ پوچھ لینا چاہیئے ۔ چنانچہ "ردالمختار" "شامی" شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ کا قول درج ہے کہ " زمانہ سلف میں یہی دستور تھا کہ عام آدمی اپنے شہر کے جس مفتی سے چاہتا فتویٰ پوچھ لیتا" ۔

ہمارے خیال میں ان دو سوالوں میں فرق ہے ۔ ایک سوال کے الفاظ یہ ہیں کہ سائل کہتا ہے، مولوی صاحب! فلاں مسئلے میں خدا ورسول کا کیا حکم ہے؟ دوسرے سوال کے الفاظ یہ ہیں کہ مولوی صاحب! فلاں مسئلے میں حنفی مذہب کا کیا فتوی ہے؟

مولانا موصوف بتائیں کہ دونوں سوالوں میں سے کس سوال کے الفاظ ان کے نزدیک صحیح ہیں اور کس کے غلط. ہم پچھلے سوال کے الفاظ کو غلط سمجھتے ہیں. کیونکہ اس سائل نے پہلے ہی حنفی فقہ کو واجب الاتباع مذہب مان رکھا ہے. حالانکہ حقیقت یہ نہیں ۔ بلکہ اصل واجب الاتباع مذہب خدا اور رسول کا حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے ۔ "اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ"

نیک مشورہ: ہم مولانا مودودی کو دوستانہ مشورہ دیں تو غالبا کوئی شکایت نہ ہوگی کہ وہ مسئلہ تقلید کے متعلق کتاب "معیار الحق" مصنفہ مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی اور "الارشاد" مصنفہ مولوی ابو یحییٰ صاحب شاہجہانپوری ملاحظہ فرمائیں تو ان پر مسئلہ تقلید اور عدم تقلید خوب واضح ہو جائے گا ۔ سرِ دست میں اس بارے میں اس پر اکتفا کرتا ہوں ۔

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

(اہلِ حدیث 9 نومبر 45ء)

دسویں قسط

تحریکات زمانیہ

ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے سامنے کئی تحریکیں اٹھیں ۔ ہم نے ان سب کو غور سے دیکھا تو ان کی ابتداء اور انتہا میں فرق پایا ۔ بانی تحریک ابتداء میں نہایت مستحسن الفاظ سے تحریک شروع کرتے رہے ہیں ۔ مگر تھوڑی دُور چل کر اپنی روش کو بدل دیا ۔ علماء اسلام ان کی ابتداء کو دیکھ کر ان کے ساتھ ہوتے رہے ۔ مگر جونہی انہوں نے اپنی روش میں تبدیلی کی تو علماء کی روش میں بھی تبدیلی آ گئی ۔

پہلی تحریک علی گڑھ سے اٹھی جس کے محرّک سر سید احمد خاں مرحوم تھے ۔ یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقّی کے لیے تھی ۔ اس لیے مسلمان اس کے حامی کار ہوئے ۔ مگر سر سیّد احمد خاں مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا تو بگاڑ شروع ہو گیا ۔

دوسری تحریک قادیان سے اٹھی ۔ جس کے محرّک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہوئے ۔ جس کا پہلا اشتہار براہین احمدیہ کے متعلق شائع ہوا ۔ جو اچھی خاصی جلد کی شکل میں مطبوع ہے ۔ اس میں اس تحریک کے محرّک نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ایک کتاب موسومہ "براہین احمدیہ" شائع کروں گا ۔ جس میں قرآن اور اسلام کی صداقت کے تین سو زبردست دلائل ہوں گے ۔ اس اشتہاری پروگرام کو دیکھ کر بہت سے علماء اور دیگر حامیانِ اسلام اس تحریک کے مؤید ہو گئے مگر تھوڑی دور چل کر اس محرّک نے اپنا پہلو بالکل بدل دیا ۔ تین سو زبردست دلائل میں سے ایک دلیل بھی مکمل شائع نہیں کی ۔ حالانکہ کتاب کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں ۔ اب تو مصنف کا بھی خاتمہ ہو گیا ہے ۔ ان سب کو دیکھنے سے

بے ساختہ منہ سے نکلا اور نکلتا ہے۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

نبوّت محمدّ یہ کے اثبات کی بجائے نبوّتِ مرزائیہ کے اثبات میں سارا وقت لگایا۔یعنی جو تحریک ابتداء میں سنہری شکل میں نمودار ہوئی تھی۔ وہ خاتمہ پر نہایت بھونڈی صورت اختیار کرگئی۔میرے علم اور تحقیق میں اسلامی تحریکوں میں کوئی تحریک ایسی نہیں جس کی ابتدا اور انتہا اتنی مختلف ہو۔جتنی کہ قادیانی تحریک کی ہوئی۔کیونکہ قادیانی محرّک نے اپنی تحریک کو آگے چل کر خود ہی تبدیل کر دیا۔اس لیے علماء بھی اس سے بدک کر الگ ہو گئے۔اور یہ شعر انہوں نے قادیانی محرّک کے حق میں پڑھنا شروع کیا.جو عرب کے شاعر نے اپنی محبوبہ کے حق میں لکھا ہے،

لا يَغُرَّنَّك ما منَّت وما وعدت　　　　إنَّ الأَمَانِيَّ والأحلام تضليل

یعنی قادیانی وعدے سراسر خواب یا سراب ہیں جن کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔

تیسری تحریک ہمارے سامنے خاکساروں کی اُٹھی جس کے بانی مسٹر عنایت اللّٰہ خاں مشرقی کہلاتے ہیں۔یہ صاحب امرتسر کی پیدائش اور امرتسر کے رہنے والے تھے.ان کے والد بٹالہ کے زرگر خاندان میں پیدا ہوئے۔غریبی کی حالت میں امرتسر آ گئے.حاجی نظام الدین مرحوم جو ہمارے استاد مولانا أحمد اللہ مرحوم کے خُسر اور خان محمد رئیس امرتسر کے خلیرے بھائی تھے۔انہوں نے ان کی پرورش وتربیت کی اور تعلیم دلوائی۔تعلیم کے بعد انہوں نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔کلرک آف دی کورٹ کے منصب تک پہنچ کر پنشن یاب ہو گئے۔آپ کا نام منشی عطا محمد صاحب تھا۔آپ عقیدۃً سرسید أحمد خان کے معتقد تھے.اس بنا پر انہوں نے مرزا قادیانی کو خط لکھا کہ اپنی مسیحیت کا ثبوت قرآن وحدیث سے پیش کرو۔اسی کے جواب میں مرزا صاحب نے کتاب "شہادت القرآن" لکھی تھی۔مرحوم مجھ سے بھی مراسم الفت رکھتے تھے۔آپ کے صاحبزادہ عنایت اللہ خان مشرق بعد تعلیم! انگلستان سے واپس آ کر خاکساری تحریک کے بانی ہوئے۔چونکہ ہندوستان انگلستان کے لحاظ سے مشرق کی طرف ہے۔اس لئے آپ نے اپنا لقب علامہ مشرقی رکھا۔جن کو ہماری اصطلاح میں لیڈر مشرقی کہا جاتا ہے۔

لیڈر مشرقی نے عسکری تحریک اٹھائی یعنی یہ دعوے کیا کہ میں مسلمانوں کو فوجی تربیت دے کر فوجی نظام میں لانا چاہتا ہوں.فوجی نظام کوئی ایسی مکروہ تحریک نہ تھی کہ کوئی اس کی مخالفت کرتا۔اس لیے شروع شروع میں بہت سے نوجوان لڑکے اس میں شریک ہو گئے اور بازاروں میں فوجی گشت کرتے نظر آنے لگے۔بہت سے شہروں میں ان کے جلسے ہوئے جن کا نام وہ اپنی اصطلاح میں کمپ رکھتے تھے۔اس تھوڑی سی کامیابی سے مشرقی لیڈر کے دماغ میں کچھ تغیر پیدا ہوا تو انہوں نے علماء اسلام کے عقائد میں تصرّف کرنا اور ان میں بُرے الفاظ میں دخل دینا شروع کر دیا۔علماء کی مذمت میں کئی ایک چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے جن میں ایک کا نام "مولوی کا مذہب" رکھا۔بازاروں میں ان رسالوں کو بیچنے والا یوں پکارتا "مولوی کا مذہب قیمت ایک پیسہ" جب یہاں تک نوبت پہنچی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علماء اسلام میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔چنانچہ چاروں طرف علماء اسلام ہتھیار سنبھال کر کھڑے ہو گئے ان کے خلاف پے در پے تحریریں نکلنی شروع ہو گئیں۔ صورت حال یہ ہو گئی۔گویا یہ شعر ان پر صادق آیا،

سودا نہ نکل گھر سے کہ ہیں ڈھونڈتے تجھے

لڑکے پھرے ہیں پتھروں سے دامن بھرے

اسی ضمن میں میں نے بھی ایک کتاب لکھی ۔جس کا نام ہے” خاکساری تحریک پر ایک نظر“ اس کتاب میں مشرقی صاحب کے مقالات اور غلط خیالات کا کافی جواب دیا مگر ان کی تحریک عسکریت کی مخالفت نہیں کی.بلکہ صاف لکھا کہ آپ اپنی کوشش کو اسی تحریک پر مرکوز رکھتے تو ہم بھی مخالف نہیں ہوتے.جو کچھ مخالفت ہوئی ہے آپ کی طرف سے ہوئی ہے،

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے رازسربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

ان تینوں تحریکوں کا ذکر میں نے بطور مثال کیا ہے ۔علماء اسلام کو ان تحریکات کے متعلق معتوب کرنے والا غور کرے کہ بے انصافی کس کی طرف سے ہوئی ہے ۔

ع پس ذرا انصاف سے کہئے نکالا کس نے شر پہلے

چوتھی تحریک ہمارے سامنے مودودی تحریک ہے ۔اپنی تحریک کے متعلق موصوف نے ایک رسالہ موسومہ دستور شائع کیا ہے ۔اس میں جو مضمون ہے وہ دو حصوں پر منقسم ہے.ایک حصہ اصطلاح عقائد کے متعلق ہے وہ تو گویا کتاب تقویۃ الایمان مصنفہ مولانا شہید قدس سرہ سے ماخوذ ہے ۔اس لئے کوئی مسلمان بالخصوص اہل حدیث اس کی مخالفت نہیں کرسکتا ۔دوسرا حصہ ان تعلقات کے متعلق ہے جو ہندوستانیوں کو موجودہ حکومت سے ہیں ۔ان کے متعلق بانئ تحریک مودودی کا ارشاد ہے کہ ہر قسم کے تعلقات حکومت سے توڑ دیں.مثلاً خطابات (خان بہادری وغیرہ) ترک کر دیں ۔ملازمتیں چھوڑ دیں،وکالت کا پیشہ بھی ترک کر دیں،بلکہ اسمبلی کی ممبری بھی چھوڑ دیں ۔الغرض پورا عدم تعاون کریں ۔ہمارے خیال میں یہ حصہ قابل غور ہے کیونکہ ہم قرآن مجید میں یہ پاتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کافر بادشاہ کے ماتحت انتظام سلطنت کرتے تھے ۔کسی ایک نبی کا فعل بھی ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے ۔مگر اس بحث کو ہم طول دینا نہیں چاہتے ۔کیونکہ ہماری دلی تمنا ہے کہ خدا وہ دن لائے کہ ہندوستان اسلام کے نور سے بالکلیہ متور ہو جائے ۔اس لئے ہماری دلی دعا ہے،

ہند کو اس طرح اسلام سے بھر دے اے شاہ
کہ نہ آئے کوئی آواز جز اللہ اللہ

ہمارا مشورہ: مولانا مودودی صاحب تحریک جاری کرتے ہوئے ہم سے مشورہ پوچھتے تو ہم تحریم خمر کے مطابق ان کو یوں مشورہ دیتے.کہ آپ اپنی تحریک کو سات جماعتوں پر تقسیم کریں ۔

اوّل جماعت: نماز،روزہ کی پابندی کرنے والی اور نماز کو بفہم ترجمہ الفاظ اور باجماعت پڑھنے والی ۔

دوسری جماعت: ترک کذب اور صدق مقال کو لازم سمجھنے والی اور زبان کو ہر قسم کی بدگوئی اور غیبت وغیرہ سے محفوظ رکھنے والی ۔

تیسری جماعت: ترک حرام کرنے والی خواہ تجارت کی شکل میں ہو یا سود اور رشوت خوری کی شکل میں یا شراب اور دیگر منشیات اور مفترات کی شکل میں ۔

چوتھی جماعت: مال حرام خوری کو ترک کرنے والی. چاہے چھوٹے مقدمات کرکے ڈگریاں حاصل کرنے کی صورت میں ہو یا قرض وغیرہ کھا جانے کی صورت میں ہو۔

پانچویں جماعت: خلق خدا کو فائدہ پہنچانے والی بلاامتیاز مذہب وملّت خدمت کرنے والی۔جس کا ذکر مولانا حالی مرحوم نے ایک بند میں بضمن ترجمہ حدیث یوں کیا ہے،

سکھائی انہیں نوع انسانی پہ شفقت — کہا ہے یہ اسلامیوں کی علامت
کہ ہمسایہ سے رکھتے ہیں وہ محبت — شب و روز پہنچاتے ہیں ان کو راحت
وہ جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں — وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں

چھٹی جماعت: وہ ہوتی ہے جس کا کورس خود قرآن مجید میں آیا ہے۔ "وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى" (جو خدا کے خوف سے ڈرے اور اپنے نفس کو بری خواہشوں سے روکے اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا)۔

ان سب کے بعد ساتویں جماعت وہ ہوتی ہے جو حسب ضرورت مال وجان قربان کرتے ہوئے یہ کہتی،

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پہلی چھ جماعتوں کے بعد یہ ساتویں جماعت بالکل آسان ہوجاتی۔مگر آپ نے عجلت سے کام لیتے ہوئے پرائمری اسکول قائم کرنے کے بجائے بی-اے کی جماعتیں کھول دیں۔خدا آپ کی یہ لغزش معاف کرے۔اور آنحضرت علیہ السلام کے اسوہ حسنہ حیات مکیہ اور حیات مدنیہ پر عمل کرنے کی توفیق بخشے. میں زیادہ طوالت میں جانا نہیں چاہتا اور نہ ضرورت سمجھتا ہوں،

ع — درخانہ اگر کس است یک حرف بس است

خدا ہماری کوششیں ادھوری ہوں یا پوری بارآور کرے. میں آپ کو اور بھی بہت کچھ کہنے کا دل میں خیال رکھتا ہوں. دیکھیں کب موقعہ ملے،

میرے دل میں ہے غالب شوق وصل وشکوۂ ہجراں — خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

(الحدیث،16 نومبر،45ء)

گیارہویں قسط

مولانا مودودی اور مسئلہ ریش

اہلحدیث 16 نومبر میں ہم مولانا مودودی سے خطاب ختم کر چکے تھے ۔اس کے بعد مدراس سے ایک خط پہنچا.جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سے مولانا مودودی نے داڑھی کا مسئلہ ترجمان بابت ماہ مارچ مئی اور جون 45ء جلد 36 میں شائع کیا ہے.اکثر علماء نے جن کا تعلق جماعت اسلامی مودودی سے ہے ۔اپنی خاصی خوبصورت ڈاڑھیوں کو کاٹ چھانٹ کر بالکل مختصر کر لیا ہے ۔(عبداللہ از مدراس)

مجیب: اس خط میں علماء کا لفظ دیکھ کر ہمیں تعجب ہوا ۔اور یہ تعجب ہم کو دوسری دفعہ پیش آیا.اس سے پہلے ہمیں اس وقت تعجب ہوا تھا.جب مرزا صاحب قادیانی نے جو دراصل حنفی تھے مولوی نورالدین صاحب کو (جو اہل حدیث تھے) خط لکھا تھا کہ مولوی صاحب.بہت مدت اہل حدیث کہلائے اب حنفی ہو جائیے.مولوی نورالدین صاحب نے بغیر دلیل وحجت اور بغیر بحث وتکرار کے یہ خط لکھا

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ رسم منزلہا

(راقم نورالدین حنفی)

اس کا ترجمہ پنجابی زبان میں کسی شاعر نے یوں کیا،

لال شراب رنگ مصلا جے گورا آکھے تینوں — راہی راہاں تھیں کدے نہ بھلدے خبر راہاں دی جینوں

وجہ تعجب ہم کو یہ پیش آئی کہ مولوی نورالدین صاحب جن کے علم وفضل کا ذکر قادیانی لٹریچر میں سب سے زیادہ ہوتا ہے ۔انہوں نے جو مذہب اہلحدیث اختیار کیا تھا وہ اپنے علم وفضل کی روشنی میں کیا تھا یا سُنے سنائے محض کسی کی تقلید سے کیا تھا ۔غالباً شق ثانی کا کوئی بھی قائل نہ ہوگا ۔سب یہی کہیں گے کہ مولوی صاحب جیسے عالم وفاضل مذہبی عقیدہ کو کسی کی تقلید سے اختیار کرنے والے نہیں تھے ۔پھر کیا وجہ ہے کہ آپ مرزا صاحب کے کہنے سے اہل حدیث مذہب کو چھوڑ کر حنفی کہلانے لگے . یاللعجب !

دوسرا تعجب ہمیں مدراسی صاحب کے خط سے ہوا ۔آپ لکھتے ہیں کہ اکثر علماء جو جماعت مودودی میں داخل ہیں ۔اس میں وجہ تعجب ہم کو یہ پیش آئی کہ وہ شخص جو عالم ہے وہ تو اپنا ہر عقیدہ اور قول وفعل علم کی روشنی میں اختیار کرتا ہے ۔پھر انہوں نے محض ترجمان کے مضمون سے متاثر ہو کر کیوں اپنی ڈاڑھیاں خلاف سنت کترانا شروع کر دیں ۔کیا ان کا پہلا فعل سُنے سنائے تھا یا دوسرا محض تقلید مودودی سے ہے ۔ اس کا جواب دینا انہی کا کام ہے ۔ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا قول یہ ہے،

چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو

مولانا مودودی صاحب نے مسئلہ ڈاڑھی کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے.وہ قابل توجہ ہے.آپ فرماتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی داڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی داڑھی رکھنا سُنّتِ رسول یا اُسوۂ رسول ہے یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عاداتِ رسول کو بعینہ وہ سُنّت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السّلام مبعوث کئے

جاتے رہے ہیں۔ (رسالہ ترجمان مذکور)

مجیب: مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک بھرپور اور کافی تھی۔ مگر یہ کام ان کاموں میں سے نہیں تھا۔ جن کے لئے انبیاء خاص کر آنحضرت علیہ السلام مبعوث ہو کر آئے تھے، کیا ہی آسان جواب ہے۔ لیجئے میں چند باتیں پیش کر کے پوچھتا ہوں،

1) دائیں ہاتھ سے کھانا پینا سنت ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مجلس میں مودودی صاحب کو دیکھا کہ آپ نے کھانا کھاتے ہوئے پانی بائیں ہاتھ سے پیا۔ راوی مذکور اس پر اظہار تعجب کرتا تھا مودودی صاحب غالباً یہی جواب دیں گے کہ نبی اس کام کے لئے نہیں آئے کہ دائیں ہاتھ سے پانی پئیں یا بائیں ہاتھ سے۔

2) کوئی شخص کہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا کہ اس نے وضو کرتے ہوئے مسواک نہیں کی جو سنت ہے۔ مودودی صاحب فرمادیں گے کہ یہ کام بھی ان کاموں سے نہیں ہے جن کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے۔

3) کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص نے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے بایاں پاؤں پہلے داخل کیا جو خلاف سنت ہے۔ مودودی صاحب اسی اصول سے جواب دے دیں گے۔ کہ یہ بھی ان کاموں سے نہیں ہے۔ جن کے لئے انبیاء علیہم السلام آیا کرتے تھے۔ اس قسم کے سینکڑوں افعال شرع میں ایسے ہیں جن کو علماء اسلام، سنت اور کار ثواب سمجھتے ہیں مگر مودودی صاحب ایک اشارہ سے سب کو حذف کر دیں گے کہ یہ کام ان کاموں میں سے نہیں ہیں جن کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے تھے۔ کیونکہ جس غرض کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے اور نبی علیہ السلام تشریف لائے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں صرف اتنا آیا ہے۔

"وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ"

ترجمہ: ہم نے پہلوں اور پچھلوں کو یہی حکم دیا کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

اس کے سوا باقی سب کام بقول مولانا مودودی صاحب اس ذیل میں آجائیں گے کہ ان کے لئے انبیاء نہیں آئے تھے۔ پس مسئلہ تو صاف ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کی داڑھی کافی گھنی تھی۔ مگر مودودی صاحب کے قول کے مطابق یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اب ہم دلیل لائیں تو کہاں سے لائیں۔ جس سے مولانا مودودی صاحب قائل ہو جائیں۔ لہٰذا ہم شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھ کر صبر وسکون اختیار کرتے ہیں۔ سعدی مرحوم فرماتے ہیں،

آں کس بقرآن دخیر زدنہ رہی

این است جوابش کہ جوابش نہ رہی